جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

محمد کمیل ترابی

شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، موبائل:9999637359

اردو شاعری میں انسانی زندگی کی اصلاح و تربیت، فلاح و فوز اور کامیابی و کامرانی کا حق ادا کرنے والے یوں تو انگنت شاعر موجود ہیں لیکن جن کے یہاں خلوص کا ارتکاز اور حوصلوں کی اُڑان پائی جاتی ہے ایسے شعرا کل بھی اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے اور آج بھی اُن کی تعداد انگلیوں پر ہی گنی جاسکتی ہے۔ فلاح و فوز اور کامیابی اور کامرانی اُن شعرا کے حصّے میں زیادہ آئی جنھوں نے قوموں کی اصلاح کے لیے شاعری کے فورم کو اپنایا یا اُس نے اُن نثر نگاروں کے دامن میں پناہ لی، جن کی سبق آموز کہانیاں تحرک پسند مضامین اور تعقل سے آراستہ شیریں نثر آج بھی دلوں میں ولولہ پیدا کردیتی ہے۔ اس حوالے سے یہاں صرف علامہ اقبال کے کلام سے استفادہ مقصود ہے اس لیے اس گفتگو کا محور اُن کی تخلیقات ہی ہیں۔

بات چاہے مومن کامل کی ہو یا انسان کامل کی علامہ اقبال نے ہر دو پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کے کلام کی تاثیر آج بھی اُتنی ہی ہے جتنی کل تھی۔ بلکہ آج کے جبر زدہ ماحول میں اُس کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

مفکرِ اسلام، شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال نے لفظِ خودی کی ایک نئی تفہیم و تعبیر پیش کرتے ہوئے، ایک مستحسن جذبے اور صالح مقصد کے پیشِ نظر اس سے بھرپور استفادہ کرکے ایک منفرد نظریہ کی بنیاد رکھی۔

علامہ اقبال کی شاعری میں خودی کے اثبات کی متعدد کوششیں ملتی ہیں، جن کو انھوں نے فلسفیانہ دلائل کی پیچیدگی سے آزاد کرکے تخّیل کے رنگ میں پیش کیا۔ اقبال نے لفظ خودی کو غرور و تکبّر عام ظاہری خصوصیات خود پسندی و خود پرستی، خود بینی و خود آرائی کے پست معانی و مفاہیم سے الگ کرکے اسے عظمتِ بشریّت کے بلند اور فطری تقاضے، خود شناسی اور خودداری کی علامت کے طور پر ارفع واعلیٰ اور عمیق مطالب و مقاصد سے آشنا کیا ہے۔ اقبال نے اپنے اس کثیر الجہات اور وسیع النکات فلسفۂ خودی سے استفادہ کرتے ہوئے انسان کی مختلف النوع طریقوں سے شخصیت سازی کا فریضہ ادا کیا ہے۔ انھوں نے اپنے اس ہمہ جہت فلسفے کے ذریعہ انسان کو اس کی اصل حقیقت اور صحیح حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ انسان کی خودداری کو بیدار کیا ہے اور اس کی خود اعتمادی کو حوصلہ بخشا ہے۔ تعمیر ذات وحیات کا احساس دلایا ہے اور تزئینِ کردار و صفات کا حوصلہ پیدا کیا ہے۔ اس سلسلے میں اقبال نے ابن آدم کو معرکۂ حیات کی طرف متوجہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ اقبال نے جو دعوتِ فکر و نظر دی ہے اسے اس شعر میں سمیٹ لیا ہے:

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

اقبال کے فلسفۂ خودی کا بنیادی مقصد و مدّعا اگر انسان سمجھ لے تو پھر وہ جبری وقہری طور پر اپنی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے خودسازی کے میدانِ عمل میں قدم رکھ کر، اپنی شخصیت وحیثیت کے مطابق اپنی ذات و صفات کی تکمیل اور اپنی حیات وکائنات کی تعمیر وتزئین کے لیے جدوجہد کرنے پر مجبور ہوجائے گا اور جب وہ احساسِ ذات اور تفہیم حیات کے اس پاکیزہ ذوق سے سرشار ہوجائے گا تو پھر وہ معرکۂ وجود اور کائنات کے تمام دشوار گزار مراحل و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے عظمتِ انسانیت اور رفعتِ بشریّت کے اپنے اصل مقام کو حاصل کرلے گا۔ اسی سلسلے میں اقبال انسان کے جذبۂ خودی کو بیدار کرکے اس کو خود شناسی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ اس گردشِ لیل ونہار کی غرض وغایت اور تغیّرِ روزگار کا مقصد و مدّعا اصل میں تجھ پر تیری خودی کو روشن کرنا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں:

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

علامہ اقبال جانتے تھے کہ جب انسان اپنی خودی کو جان لے گا تو پھر اسے اس دنیائے رنگ و بو اور اس کائناتِ ہست و بود میں اپنی اصل حقیقت واہمیت اور وقعت کا احساس دلانا آسان ہوجائے گا:

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سِوا کچھ اور نہیں

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

اقبال کی نظر میں خوداعتمادی اور قوتِ ارادی اس طاقت وصلاحیت کا نام ہے جو کہ فلک شگاف بھی ہے، آہن گداز بھی ہے اور سنگ شکن وخلا پیا بھی ہے۔ اس کے ذریعے ایک مشتِ خاکی کا مرہونِ منّت وممنونِ احسان اور ذرّہ ناچیز سے موسوم انسان چاند، سورج پر بھی کمندیں ڈال سکتا ہے۔ ستاروں اور سیّاروں پر قبضہ کرنے کی تدبیر بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ انسان کی ہمت افزائی یوں کرتے ہیں:

طلسمِ گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں
زجاج کی یہ عمارت ہے سنگ خارہ نہیں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

پھر آگے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

وہ انسان کے جذبۂ خودی کو مہمیز کر کے اس کے ذوقِ ارتقا کو اور تیز کرنے کے لیے اور اس کے حدودِ اقتدار اور وسعتِ اختیار کو متعین کرتے ہوئے اسے مسلسل آگے بڑھتے رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اقبال کا یہ فلسفۂ خودی دراصل آدم کی شناخت کا دوسرا نام ہے۔ اس کے ذریعہ انسان مادّی اور روحانی ترقّی کی انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس مخصوص فلسفۂ خودی کے ذریعے انسان کو یاسیت اور قنوطیت کی زائیدہ بے عملی کے تنگ وتاریک غار سے نکال کر امید ویقین واعتماد کے منارۂ پُرنور پر سرفراز وسربلند کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر انسان منازلِ حیات کی سختیوں اور مراحلِ کائنات کی مشکلوں اور ان کے ناہموار راستوں کی دشوارگزاریوں سے گھبرا کر مایوس اور ناامید ہو جائے تو کبھی اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے برعکس اگر وہ تمام زحمتوں اور پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے قوتِ ارادی اور محکم یقین کے ساتھ میدانِ عمل میں کود پڑے اور برابر جدّ وجہد میں مصروف رہے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ مگر اس کے لیے اسے تسخیرِ ذات وحیات کے خوداحتسابی کے سخت آزمائشی دور اور امتحانی مرحلے سے گزرنا ہوگا، اور اسی ذوقِ عمل اور جذبۂ جہد وجہاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بُرّندہ و برّاق

اقبال نظریۂ 'ہمتِ مرداں مددِ خدا است' کے قائل تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان کو اپنے جذبۂ عمل پر پورا یقین اور اپنی خودی پر مکمل اعتماد ہے تو وہ اپنے عملِ مسلسل سے اپنی تقدیر کا خالق اور اپنے نصیب کا معمار خود بھی ہو سکتا ہے۔ انسان کے اندر یہی اعتماد پیدا کرنے کی غرض سے وہ ایک جگہ کہتے ہیں:

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ خودی سے مراد وہ ذاتی استقلال ہے جو ہر

مخلوق کے علم وعمل کو ایک خاص انداز میں نمایاں کرتا ہے۔ ہر فرد کو فطرت کی طرف سے جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں اور جن سے وہ بخوبی واقف نہیں ہوتا انہی صلاحیتوں کے مجموعے کا نام خودی ہے۔ ’’استحکامِ خودی‘‘ یعنی انسان کو خودی کے وجود کا یقین ہو جائے تو وہ اس کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوتا ہے اور وہیں عشق استحکامِ خودی میں سب سے بڑا مددگار ہے۔ کیونکہ عقل کے راستے میں عشق ہی حائل ہوتا ہے۔ عقل وعشق کے ساتھ جہد وعمل بھی ’’فلسفۂ خودی‘‘ کا حصہ ہے۔ اس کے بغیر خودی کی تعبیر وتکمیل نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال خودی کی طاقت واہمیت کی کچھ اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

زندگانی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رُوسیاہی

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

فلسفۂ ذات وحیات کے قاعدۂ کلیہ اور علمِ سیرت واخلاق کے ضابطہ ونظریے کے مطابق انسانی ذات اور بشری صفات میں خود اعتمادی اور قوّتِ ارادی کا یہ خلاصہ اور تقاضا ہے کہ اس کے اندر اس کا ضمیر زندہ و بالیدہ ہو جاتا ہے، اس کی خودداری پختہ وپائندہ ہو جاتی ہے اور عزّتِ نفس کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی خودی کو پہچان لے گا تو وہ اپنی خودی کے تحفظ اور خودداری کی حفاظت کے لیے کسی کے ہاتھ اپنی خودی کا، اپنی عزّتِ نفس کا سودا نہیں کرے گا، بلکہ ہر طرح کی امیری پر اپنی فقیری کو ترجیح دیتے ہوئے کہے گا:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر

اور جہاں بھی اس کی خودداری مجروح اور خودی پامال ہوتی ہے وہاں وہ سیری کے بجائے فاقہ کو گوارا کر لیتا ہے اور ذلّت کی زندگی کی جگہ عزت کی موت کو گلے لگانا پسند کرتا ہے اور تلقین کرتا ہے:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

یہاں تک کہ اشرف المخلوقات اور افضلِ موجودات ہونے کا احساس اس کی خودی وخودداری کو اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ بارگاہِ ایزدی میں بڑے پُراعتماد لب ولہجے میں نہایت جسارت کے ساتھ اپنی خود اعتمادی کا اظہار کرتا ہے:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

مختصر یہ کہ علامہ اقبال نے لفظ ’’خودی‘‘ کی ایک مخصوص اصطلاح ایجاد کر کے اور اس کی نہایت وسیع وعمیق تعبیر پیش کر کے اپنے اس مفید ’’فلسفۂ خودی‘‘ کے ذریعے اردو شعر وادب کو ایک نیا نظریۂ فکر عطا کیا ہے جو اُن کے ادبی اجتہاد کا ثبوت اور ان کے مجتہدانہ فکر وشعور کی دلیل ہے۔

○○

قلمکاروں سے گزارش

ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے رکہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔